Al-Āfāq, Vol.: 02, Issue: 02, Dec-2022
PP: 179-196

OPEN ACCESS
Al-Āfāq
ISSN (P): 2789-3820
ISSN (O): 2789-3839

سرکاری سطح پر زکوۃ کی تحصیل کا طریقہ کار اور شرعی حکم

Mechanism and Shariah Ruling over Zakat Collection at Official Level

***Dr. Hafiz Atif Iqbal**
Postdoctoral Fellow / Research Associate, Department of Islamic History & Civilization, Academy of Islamic Studies, University of Malaya, Malaysia.
hafiz.atif@um.edu.my
****Dr. Hafiz Muhammad Farooq Abdullah**
Assistant Professor, Department of Interfaith Studies, Allama Iqbal Open University, Islamabad.
abdullah@aiou.edu.pk

Abstract
Zakat is one of the most important elements of Islam, which is obligatory upon every able-bodied Muslim after fulfilling the conditions of Zakat. In this regard, zakat payers either pay their zakat themselves or the government collects zakat from them through financial institutions, in which a large part is obtained through bank accounts, so this point needs to be researched in this article that all the conditions of Zakat are observed in Pakistani banks regarding the deduction of Zakat or not? From the evidence, it has been concluded that there are six flaws in the method of zakat collection through banks. In this paper, Analytical research methodology is adopted. In this paper, the researcher has preferred to derive concepts from the primary sources related to the subject and later has used secondary sources and contemporary references so that the subject is embellished by the combination of ancient and modern views.
Keywords: *Able-Bodied; Financial Institutions; Six Flaws; Embellished.*

تعارف:

زکوۃ ارکان اسلام میں سے ایک اہم رکن ہے جو ہر صاحب استطاعت مسلمان پر ادائیگی زکوۃ کی شرائط کے پورا ہو جانے کے بعد لازم ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں زکوۃ دہندگان اپنی زکوۃ یا تو خود ادا کرتے ہیں یا حکومت اپنے طور پر اُن سے زکوۃ مالیاتی اداروں کے ذریعے وصول کرتی ہے ہیں جس میں کثیر حصہ بینک کاؤنٹس کے ذریعے حاصل کیا جاتا ہے لہذا اس بابت امر تحقیق طلب ہیں کہ بینکوں میں زکوۃ کی کٹوتی کی بابت تمام شرائطِ زکوۃ کی پاسداری کی جاتی ہے یا نہیں؟ پاکستانی بینکوں میں زکوۃ کی کٹوتی کی بابت شرائطِ زکوۃ کی پاسداری کے حوالے سے کئی سقم دیکھنے کو ملتے ہیں اس حوالے سے تفصیلی ابحاث اجمالی انداز میں پیش کی جارہی ہے تا کہ موضوع کا احاطہ اس آرٹیکل میں ممکن ہو سکے۔ بینکوں کے ذریعے حکومت کے تحصیلِ زکوۃ کے طریقہ کار میں درج ذیل سقم پائے جاتے ہیں:

CC BY

1. مالِ زکوۃ کا قرض سے پاک ہونا
2. مالِ حرام یا مخلوط مال میں زکوۃ کی کٹوتی
3. نصابِ زکوۃ پر سال گذرنے سے قبل زکوۃ کی کٹوتی
4. ادائیگی زکوۃ میں نیت کی شرط کا فقدان
5. مالک کی غیوبت میں زکوۃ کی کٹوتی
6. بچے اور مجنوں کے مال سے زکوۃ کی کٹوتی

ا۔مالِ زکوۃ کا قرض سے پاک ہونا:

بینک اکاونٹس میں زکوۃ کی کٹوتی سے قبل صرف اُن اثاثہ جات کو زکوۃ سے منہا کیا جاتا ہے جو درج ذیل صورتوں میں سے ہوں۔

1. بینک میں موجودہ اثاثوں کی ضمانت پر حاصل کیے گئے قرضہ جات۔وہ قرضے صرف اِن اثاثوں سے منہا ہونگے۔
2. ایسے اثاثے جو مزید پیدا اور حاصل کرنے کیلئے استعمال کیے گئے ہوں، جن پر زکوۃ منبع پر واجب الوضع ہے یعنی اُن قرضوں کو حکماً مستوجبِ زکوۃ اثاثے خریدنے کیلئے استعمال کیا گیا ہو۔
3. بشرطیکہ وہ اثاثے جس کی ضمانت پر قرض لیا گیا ہو (یعنی شق 1) اور وہ اثاثے جو اس قرض سے خریدے گئے ہوں (یعنی شق 2) دونوں اسی زکوۃ کاٹنے والی ایجنسی کی تحویل میں ہو جس نے قرض دیا تھا یعنی ایسے قرضے جس کا تعلق اِسی حکومتی ایجنسی سے ہو۔وہ صرف مالِ زکوۃ سے منہا ہونگے اور اس کے بعد اگر نصاب کی مقدار مال موجود ہے تو اس کے مطابق زکوۃ کاٹی جائیگی۔ مثلاً قانون زکوۃ وعشر 1980 میں ہے۔

> (2)"In determining amount to be collected as Zakat on compulsory basis, the value of an asset on which Zakat is deductible at source may be reduced, to the extent and in the manner prescribed, only on account of debts which have been-(a) primarily secured by that asset:(b)used for the creation of an asset which Zakat deductible at source; and (c) obtained from the Deducting Agency having the custody of the asset securing the debt "[1]

اب قابل ذکر بات یہ ہے کہ کیا صرف انہی قرضوں کو مالِ زکوۃ سے منہا کیا جانا چاہیے جو حکومتی تحویل میں ہو؟ یا مال زکوۃ کی کٹوتی سے قبل ہر قسم کا قرض، مقروض کے مالِ زکوۃ سے منہا کیا جائے گا۔اس بارے میں شریعت کا حکم درج ذیل ہے:

وجوبِ زکوۃ کی شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ صاحبِ نصاب مسلمان کا مال قرض سے پاک ہو۔ یہ شرط تقریباً تمام فقہاء کے ہاں کسی نہ کسی صورت میں معتبر ہے لیکن امام شافعیؒ کے قولِ جدید کی رُو سے قرض، وجوبِ زکوۃ کیلئے کسی صورت بھی مانع نہیں ہو گا۔ صاحب المھذب فی الفقہ الشافعی لکھتے ہیں:

"قال في الجديد: تجب فيه الزكاة لأن الزكاة تتعلق بالعين، والدين يتعلق بالذمة فلا يمنع احدهما الاخر كالدين و ارش الجناية"[2]

"امام شافعیؒ کے قول جدید کے مطابق (دین سے مستغرق مال) میں زکوۃ واجب ہو گی اس لیے کہ زکوۃ کا تعلق عین سے ہے اور دین کا تعلق ذمہ سے ہے لہذا ان میں سے ایک، دوسرے کا مانع نہیں ہو گا جیسے قرض جنایت کے تاوان کا مانع نہیں ہوتا"

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اِس شرط کی صورتیں:

- احناف کے نزدیک ہر وہ قرض جس کا مطالبہ بندوں کی طرف سے ہوتا ہے وہ مالِ زکوۃ کیلئے مانع ہوں گے اور جن دیون کا مطالبہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے مثلاً کفارات، نذور اور صدقۃ الفطر وغیرہ وہ دیون مال زکوۃ کیلئے مانع نہیں ہوں گے۔[3]
- مالکیہ کے نزدیک قرض، صرف سونا چاندی کی زکوۃ کو ساقط کرتا ہے بشرطیکہ جب مالک کے پاس ایسا سامان نہ ہو جس سے قرض ادا کر سکتا ہو۔[4]
- حنابلہ کے نزدیک قرض اموال باطنہ واموال ظاہرہ (سبھی اموال) میں زکوۃ کیلئے مانع ہے۔[5]

مالِ زکوۃ سے قرض کے منہا ہونے کی دلیل حدیث رسولؐ ہے جس میں آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اگر کسی شخص کے پاس ایک ہزار درہم ہوں اور اس پر ایک ہزار درہم دَین بھی ہو تو اس پر زکٰوۃ لازم نہیں ہے۔

"اذا كان لرجل الف درہم وعليه الف درہم فلا زكاة عليه"[6]

حاصلِ کلام یہ ہے کہ قرض ایک ایسی آزمائش ہے جس سے چھٹکارہ حاصل کرنے کیلئے شریعت ِ مطھرہ نے مقروض لوگوں کو مصارفِ زکوۃ کی صنف "الغارمین" میں بھی شمار کیا ہے لہذا مقروض اس نسبت سے زکوۃ دینے کی بجائے زکوۃ لینے والوں میں شمار ہوتا ہے بشرطیکہ مقروض کے اس قرضے میں مندرج بالا باتیں شامل ہوں نیز حکومت کی طرف سے بینکوں میں زکوۃ کی وصولی میں صرف مخصوص قسم کے قرضوں کو منہا کرنا درست نہیں ہے۔

۲۔مالِ حرام یا مخلوط مال میں زکوۃ:

حکومت کی طرف سے بینکوں میں زکوۃ کی وصولی جن اکاؤنٹس سے کی جاتی ہے وہ سارے کے سارے وہ اکاؤنٹس ہیں جن میں سود کی آمیزش ہے اور ان اکاؤنٹس ہولڈرز کو بینک مخصوص شرح سود، مختلف میعاداتی بنیادوں پر عطاء کرتا ہے۔ نیز مختلف بینکوں کے اس حوالے سے منافعاتی ریٹ بھی مشترک نہیں ہیں مثلاً سرکاری نظامِ زکوۃ میں سیونگ اکاؤنٹس اور ٹرم / فکس ڈیپازٹ اکاؤنٹ پر زکوۃ لازم

قرار دی گئی ہے جبکہ ان اکاؤنٹس میں بینک کی طرف سے اکاؤنٹ ہولڈر کو مختلف میعاداتی مدت پر اصل رقم کے ساتھ منافع یعنی سود بھی دیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر درج ذیل بینکوں کے مختلف اکاؤنٹس پر شرح سود کا تناسب ملاحظہ کیجئے۔

S/ N	BANK NAME	ACCOUNT NATURE	INTEREST RATE
1	HBL	Ist Year Term Deposit	5.00 ٪
2	MCB	Ist Year Term Deposit	3.95 ٪
3	NBP	Ist Year Term Deposit	4.15 ٪

اسی طرح سیونگ اکاؤنٹس پر شرح سود کا تناسب یہ ہے.

S/ N	BANK NAME	ACCOUNT NATURE	INTEREST RATE
1	HBL	SAVING ACCOUNT	4.07 ٪
2	MCB	//	3.75 ٪
3	NBP	//	3.75 ٪

[7]حاصل کلام یہ ہے کہ بینکوں میں جن اکاؤنٹس سے زکوۃ منہا کی جاتی ہے اُن میں بینک اکاؤنٹ ہولڈرز کو مختص شرح سود، مختلف میعاداتی بنیادوں پر دیتے ہیں۔ اس صورت حال کے پیشِ نظر نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ حکومت جن بینک اکاؤنٹس سے زکوۃ کاٹنے کا حکم دیتی ہے، وہ اکاؤنٹ سود کی آمیزش سے پاک نہیں ہوتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا شرعی لحاظ سے مخلوط مال یا مال حرام سے زکوۃ نکالی جاسکتی ہے یا نہیں ؟، اس حوالے سے شرعی رہنمائی درج ذیل ہے۔ فقہاء نے زکوۃ کے وجوب کیلئے ایک شرط، مالِ زکوۃ کا حلال ہونا بھی قرار دیا ہے۔ علامہ سغدی لکھتے ہیں کہ وجوبِ زکوۃ کی شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ وہ مال حلال بھی ہو اور مالِ حرام میں زکوۃ نہ ہونے کی حکمت یہ ہے کہ جب حرام مال ہو تو وہ دو صورتوں سے خالی نہ ہو گا یا تو اس کا مالک موجود ہو گا تو اس صورت میں اُس کو واپس کرنا لازم ہے یا اُس کا مالک موجود نہ ہو گا تو اس صورت میں اُس تمام مالِ حرام کا تصدق یعنی خیرات کرنا فقراء پر ضروری ہے اور اُس شخص کیلئے (کسی صورت میں بھی) مالِ حرام کی قلیل و کثیر مقدار حلال نہیں ہے اور زکوۃ صرف مالِ حلال میں لازم ہوتی ہے۔[8] علامہ ابن حجر عسقلانی "فتح الباری" میں امام قرطبی کے حوالے سے بیان فرماتے ہیں:

"قال القرطبی وانما لا یقبل اللہ الصدقۃ بالحرام لانہ غیرمملوک للمتصدق"[9]

"امام قرطبی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مال حرام کی زکوۃ قبول نہیں کرتا ہے کیونکہ وہ مال اُس شخص کی ملکیت میں ہی نہیں ہے

دلائل: قرآن وحدیث میں بھی مالِ حلال سے زکوۃ نکالنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْفِقُوْ مِنْ طَیِّبٰتِ مَاکَسَبْتُمْ"[10]

"اے ایمان والوں اپنی کمائی ہوئی پاکیزہ چیزوں سے خرچ کرو

آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ پاکی کے بغیر نماز قبول نہیں فرماتا ہے اور اسی طرح مال غلول سے صدقہ قبول نہیں کرتا ہے۔

"لاتقبل صلاة بغیر طھور ولا صدقة من غلول"[11]

مزید بر آں اگر حلال مال اور حرام مال میں تمیز کرنا مشکل ہو اور نا ممکن ہو اور مخلوط مال بقدر نصاب ہو تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مخلوط مال پر زکوۃ واجب ہوگی اس لیے کہ مخلوط کرنا گویا فنا کرنا ہے۔ علامہ حصکفی رقم طراز ہیں:

"لو خلط السلطان المال المغضوب بمالہ فتجب الزکاۃ فیہ ویورث عنہ لان الخلط استھلاک اذا لم یکن تمییزہ عند ابی حنیفۃ" [12]

فتاویٰ شامی میں امام صاحب سے ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ اگر اس شخص کے پاس دوسرا حلال مال بقدرِ نصاب ہے اور اس نے حلال مال میں حرام مال کو ملا دیا تو امام صاحب کے نزدیک ایسے مخلوط مال پر زکوۃ لازم ہوگی۔

"من ملک اموالا غیر طیبۃ او غصب اموالا وخلطھا، ملکھا بالخلط ویصیر ضامنا..ان وجوب الزکاۃ مقید بما اذا کان لہ نصابا"[13]

راقم الحروف کے نزدیک مؤخر الذکر رائے عصر حاضر کے حوالے سے کافی فکر انگیز ہے کیونکہ موجودہ دور میں کسی کے مال و دولت کے بارے میں مشکل سے ہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ حرام کی آمیزش سے بالکل پاک ہو۔ اس لیے کہ موجود حالات میں بالکلیہ حرام کی آمیزش سے پاک، حلال، طیب مال پر زکوۃ کو لازم کرنے سے صرف چند صاحبِ نصاب مسلمان ہی اس فریضہ کی ادائیگی کیلئے مجاز ہونگے۔ لیکن اس صورت پر عمل کی گنجائش اس وقت ہوگی جب مخلوط مال میں تمیز کرنا ناممکن ہو لیکن اگر تمیز کرنا، ممکن ہو تو صرف مالِ حلال سے زکوۃ دی جائی گی اور اسی طرح جب ہم اس مسئلے کا انطباق بینک اکاؤنٹ پر کرتے ہیں تو بینک اکاونٹ میں اصل رقم اور منافع پہلے سے متعین ہوتا ہے اور ان دونوں مالوں میں تمیز کافی حد تک ممکن ہے اس لیے اولاً تو سرکاری نظامِ زکوۃ میں نظامِ زکوۃ کو شرعی بنیادوں پر استوار کرنے کے لیے سودی نظام کا خاتمہ کیا جائے اور ثانیاً ایسا کوئی لائحہ عمل بنایا جائے کہ اصل رقم علیحدہ مد میں ہو اور منافع یعنی سود علیحدہ مد میں ہو اور حکومت صرف اصل رقم سے وجوب زکوۃ کی دیگر شرائط کی پاسداری کرتے ہوئے زکوۃ نکال لے، بصورتِ دیگر ایسا نتیجہ بھی ملے گا کہ بینک نے سال بعد اکاؤنٹ ہولڈر کو اصل رقم پر جتنا منافع (سود) دیا حکومت نے اسی شرح سود کے تناسب سے 2.5٪ فیصد زکوۃ کاٹ لی یعنی اس صورت میں اگر اس اکاؤنٹ ہولڈر پر شرعی لحاظ سے زکوۃ لازم ہو تو وہ اِس صورت میں از روئے قانونِ پاکستان زکوۃ ادا کرنے والوں کی فہرست میں شمار ہوگا حالانکہ اس کی زکوۃ شرح سود سے ادا ہوئی ہے نہ کہ اصل رقم سے۔ لہٰذا از روئے شرع وہ شخص زکوۃ کی ادائیگی کا انفرادی سطح پر پابند رہے گا کیونکہ حکومتی زکوۃ کی کٹوتی مال حرام سے ہوئی ہے لیکن اگر حکومت ان چیزوں کا اہتمام نہیں کرتی تو پھر بھی حکومت کا مخلوط مال پر مبنی اکاؤنٹ سے زکوۃ کاٹنا اس شرعی بنیاد پر صحیح ہوگا کہ زکوۃ کا مصرف بھی فقراء ہیں اور مالِ حرام کا مصرف

بھی فقراء ہیں لیکن فرق صرف اتنا ہے کہ مال زکوۃ کی ادائیگی پر صاحب نصاب کو ثواب ملتا ہے اور مال حرام کو بغیر ثواب کی نیت سے فقراء پر صدقہ کیا جاتا ہے۔ احسن الفتاوی میں اس بابت ایک عمدہ خلاصہ پیش کیا گیا ہے جو حسب ذیل ہے۔

> "اگر جمع شدہ مال حرام خالص ہے تو اس پر زکوۃ واجب نہیں اس مال کا اگر مالک معلوم ہے تو مالک پر واجب الرد (یعنی مالک کو لوٹانا) ہے اگر مالک معلوم نہیں تو یہ مال مساکین پر واجب التصدق (صدقہ کرنا واجب) ہے اور اگر حلال و حرام مخلوط ہے تو حرام مال کی مقدار اس سے نکال کر باقی اگر بقدر نصاب بچتا ہو تو زکوۃ واجب ہے ورنہ نہیں"[14]

اس فتوی کی روشنی میں ایک جزئیہ یہ بھی نکلتا ہے کہ مخلوط مال پر مبنی اکاؤنٹس سے زکوۃ اس صورت میں نکالی جائے گی جب مخلوط مال سے اصل مال مقدارِ نصاب تک پہنچتا ہو لیکن اگر اصل مال، حرام مال سے ملنے کے بعد مقدارِ نصاب کو پہنچتا ہے تو اس صورت میں بھی حکومت کا اس مخلوط مال سے زکوۃ کاٹنا صحیح نہیں ہے۔

۳۔ نصابِ زکوۃ پر سال گزرنے سے قبل زکوۃ کی کٹوتی :

سرکاری قانونِ زکوۃ وعشر کی رُو سے حکومتِ پاکستان ہر سال بذریعہ سٹیٹ بینک آف پاکستان ایک حکم نامہ جاری کرتا ہے جس میں وزارتِ مذہبی امور حکومتِ پاکستان کی جانب سے مقدارِ نصاب کی تعین کے ساتھ ساتھ تمام ملکی بینکوں اور دیگر مالیتی اداروں کو ہدایت جاری کی جاتی ہے کہ یکم رمضان المبارک کو تمام ملکی بینک اور دیگر مالیاتی ادارے مختص اکاؤنٹس سے بمطابق شرح 2.5٪ زکوۃ کاٹ لیں۔ سرکاری قانونِ زکوۃ وعشر 1980 میں اس بابت یہ حکم موجود ہے۔[15]

اسی قانون کی روشنی میں حکومت پاکستان کا زکوۃ کی کٹوتی کا طریقہ کار یہ ہوتا ہے کہ سب سے پہلے وزارتِ مذہبی امور حکومت پاکستان بذریعہ مراسلہ بنام ڈائریکٹر سٹیٹ بینک آف پاکستان یہ ہدایت جاری کرتی ہے کہ امسال حکومت کی طرف سے نصاب کی مقدار یہ طے پائی گئی ہے لہذا بمطابق قانون زکوۃ وعشر 1980 یکم رمضان المبارک کو تمام اثاثہ جات (جو کہ قانونِ زکوۃ وعشر 1980 کے جدول نمبر 1 میں درج ہیں) سے زکوۃ کاٹ لی جائے بشرطیکہ وہ اثاثہ جات اس مقدار نصاب تک پہنچے ہوئے ہوں مثلاً ہجری سال 2022 / 1443 کے لیے وزارتِ مذہبی امور حکومت پاکستان نے اپنے مراسلہ نمبر (No- CE-1001(36) NISAB 1442-43/2022) بتاریخ: 30 مارچ 2022، نصاب کی مقدار =/88927 روپے مقرر فرمائی ہے۔[16]

اس مراسلے کے بعد پھر سٹیٹ بینک آف پاکستان تمام بینکوں اور مالیاتی اداروں کو بذریعہ لیٹر وزارتِ مذہبی امور حکومت پاکستان کے مراسلے کی کاپی کے ساتھ اس کی تنفیذ کا حکم دیتا ہے۔ حکومت کا مروجہ قانونی و عملی طریقہ کار برائے کٹوتی زکوۃ میں شرعی لحاظ سے یہ سقم ہے کہ شریعت اسلام میں زکوۃ اس وقت کاٹی جاتی ہے جب مالک کے مالِ زکوۃ پر سال گذر جائے، جبکہ یہاں وجوبِ زکوۃ کی اس اہم شرط کی پاسداری نہیں کی جاتی ہے البتہ اب زکوۃ کٹوتی کے استثناء کا فارم حکومت کی طرف سے (CZ-50) کے نام سے متعارف کروایا گیا ہے

جس کے جمع کروانے کے بعد بینک اکاؤنٹس سے زکوۃ منہا نہیں کی جائے گی مثلاً حبیب بینک آف پاکستان کے مینویل کے چھٹے باب کی چوتھی شق میں لکھا ہے کہ جو اکاؤنٹس شعبان المعظم کے مہینے میں کھولے جائیں ان کے لیے بھی زکوۃ کی کٹوتی سے بچنے کے لیے زکوۃ کٹوتی سے استثناء کا فارم جمع کروانا ہو گا بصورت دیگر زکوۃ کاٹ لی جائے گی۔

" 6.1.4 The accounts which are opened during the month of Shaban -ul- Moazzam can be exempted from compulsory deduction of Zakat upon submission of a Zakat declaration before the Zakat valuation date i.e. 1st Ramazan-ul- Mubarik" [17]

حکومتی طریقہ کار برائے کٹوتی زکوۃ کی تمام تفصیلات کے بعد، اِس طریقہ کار کا شرعی جائزہ درج ذیل دو نکات پر مشتمل ہے۔

۱۔ کیا وجوبِ زکوۃ کے لیے "حولانِ حول" یعنی سال کا گذرنا شرط ہے؟

۲۔ کیا مالِ مستفاد کے لیے بھی سال کا گذرنا شرط ہے؟

پہلا جزء:

کیا وجوبِ زکوۃ کے لیے "حولانِ حول" یعنی سال کا گذرنا شرط ہے؟ زکوۃ کے وجوب کے لیے تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ نقدین (سونا، چاندی) مویشی جات اور سامانِ تجارت کے لیے "حولان حول" یعنی ان اشیاء کا بقدرِ نصاب ملکیت میں پورا سال رہنا ضروری ہے بصورتِ دیگر ان اشیاء پر زکوۃ لازم نہ ہو گی۔

"و منہا حولان الحول علی المال واذا کان النصاب کاملا فی طرفی الحول فنقصانہ فیما بین ذلک لا یسقط الزکاۃ" [18]

مالکیہ کے نزدیک بھی زکوۃ کی ادائیگی کیلئے سال کا گزرنا شرط ہے نیز مالکیہ کے ہاں سال کے گزرنے سے قبل زکوۃ ادا کرنا بھی ممنوع ہے۔

"الحول شرط لاخراج الزکاۃ وقد منع المالکیۃ اخراج الزکاۃ قبل الحول" [19]

شوافع کی رائے کے بارے میں صاحبِ المھذب رقم طراز ہیں کہ سال کا گزرنا اُس مال میں زکوۃ واجب نہ ہو گی جب تک اُس مال پر سال نہ گزر جائے نیز یہ شرط حضرت ابو بکرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، فقہاء مدینہ اور شہروں کے علماء سے مروی ہے اور حولان حول کی شرط کا مقصد یہ ہے کہ سال سے قبل مال کی بڑھوتری مکمل نہیں ہوتی لہذا ایسے مال میں زکوۃ واجب نہ ہو گی۔[20] صاحب الانصاف حنبلی لکھتے ہیں کہ وجوب زکوۃ کی پانچویں شرط سال کا گزرنا ہے سوائے زرعی پیداوار کے) اور سال کی شرط صرف نقدین، مویشی جات، اور سامان تجارت کیلئے ہے۔

"قولہ (الخامس مضی الحول: شرط الا فی الخارج من الارض) فیشتارط مضی الحول فی الاثمان والماشیۃ وعروض التجارۃ" [21]

جبکہ بعض صحابہؓ سے یہ قول بھی منقول ہے کہ کوئی شخص جس وقت بھی بقدر نصاب مال کا مالک ہو گا اُس پر اُسی وقت زکوۃ کی ادائیگی لازم

ہے یعنی اُس مال پر سال گزرنے کی شرط نہیں ہے۔ اس قول کے قائلین میں قابل قدر نام حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابن عباسؓ و امام جعفر صادقؒ، باقرؒ، ناصرؒ اور داؤدؒ شامل ہیں۔

"قولہ(وحال علیہا الحول) فیہ دلیل علی اعتبار الحول فی زکاۃ الذہب ومثلہ الفضۃ والی ذلک ذہب الاکثر وذہب ابن عباس و ابن مسعود والصادق والباقر و الناصر وداؤد الی انہ یجب علی المالک اذا استفاد نصابا ان یزکیہ فی الحال)" [22]

بہر حال اس قول (کہ کوئی شخص جس وقت بھی بقدر نصاب کا مالک ہو گا اُس پر اُسی وقت زکوۃ کی ادائیگی لازم ہے) کو درج ذیل بنیادوں پر اصح نہیں ہے۔

1- حضرت علیؓ سے مروی حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تیرے پاس دو سو درہم ہوں اور اُن پر ایک سال گزر جائے تو اُن میں پانچ درہم زکوۃ واجب ہو گی اور فرمایا کہ سونے میں تجھ پر کوئی زکوۃ نہیں جب تک کہ تیرے پاس بیس دینار نہ ہو جائیں اور جب بیس دینار ہو جائیں اور اُن پر ایک سال گزر جائے تو اُس میں آدھا دینار بطور زکوۃ دینا ہو گا پھر جتنے زیادہ ہوں اُن پر اسی حساب سے (چالیسواں حصہ) بطور زکوۃ دینا ہو گا۔[23]

"لا زکاۃ فی مال حتی یحول علیہ الحول" [24]

"اُس مال میں کوئی زکوۃ نہیں جس پر سال نہ گذرا ہوا ہو"

ان احادیثِ مبارکہ میں آپ ﷺ نے صراحتاً نقدین میں زکوۃ کے لیے مقدار نصاب کی تکمیل کے بعد اُس مال پر سال کا گزرنا بھی شرط قرار دیا ہے۔

2- علامہ ابن رشد مالکی لکھتے ہیں کہ جمہور فقہاء کے نزدیک سونے، چاندی اور مویشی پر وجوب زکوۃ کے لیے سال کا گزرنا شرط ہے اس لیے کہ یہ امر خلفائے اربعہ سے ثابت ہے۔ [25]

3- علامہ شوکانی نیل الاوطار میں لکھتے ہیں کہ مال زکوۃ پر سال گزرنے کی شرط کے قائلین کی تعداد کثیر ہے۔ "والی ذلک ذہب الاکثر" [26]

4- مزید یہ کہ مالِ زکوۃ میں سال گزرنے کی شرط کا حقیقی مقصد "نماء" کا حصول ہے تاکہ سال بھر یہ اشیاء افزائش دے دیں اور پھر اِن اشیاء سے زکوۃ حاصل کی جائے۔

واضح رہے کہ سال کی شرط صرف نقدین، مویشی جات، اور سامان تجارت کیلئے مختص ہے جبکہ زرعی پیداوار و دیگر کیلئے سال گزرنے کی شرط نہیں ہے۔ موسوعہ فقہیہ میں ہے کہ زکوۃ والے اموال میں سال کی شرط سے زمین سے پیدا ہونے والے زراعتی غلوں، معادن اور رکاز کو مستثنی کیا جائے گا پس ان میں زکوۃ سال کے نہ گزرنے پر بھی واجب ہو گی اس لیے کہ کھیتوں کے بارے میں ارشاد ربانی

ہے:(وَآتُوْ حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِہ) [27] (اور اس کا حق اس کے کاٹنے کے دن ہی ادا کر دیا کرو) اور وہ اس لیے کہ وہ خود ایک بڑھوتری ہے لہٰذا ان چیزوں میں سال کی شرط نہیں۔[28]

دوسرا جزء:

کیا مالِ مستفاد کے لیے بھی سال کا گذرنا شرط ہے ؟مالِ مستفاد سے مراد وہ مال ہے جو دوران سال حاصل ہو تو کیا اس پر علیحدہ سال کا گزرنا شرط ہے یا نہیں ؟اس بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ فقہاء نے مال مستفاد کی تقسیم کچھ یوں کی ہے کہ مال مستفاد کی دو قسمیں ہیں :

1. مال مستفاد نصاب کی جنس سے نہ ہو۔
2. مال مستفاد نصاب کی جنس سے ہو۔

پہلی صورت میں فقہاء کا اتفاق ہے کہ مال مستفاد نصاب کی جنس سے نہ ہو تو اُسے اصل کے ساتھ نہیں ملایا جائے گا بلکہ اُس کیلئے از سر نو سال شمار ہو گا۔علامہ کاسانی لکھتے ہیں کہ اگر مال مستفاد اصل کی جنس کے خلاف ہے جیسے اونٹ مال مستفاد ہے اور اصل مال گائے ہے اور اسی طرح گائے بکری کے ساتھ تو اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ اسے اصل کے ساتھ ضم کیا جائے گا بلکہ اُس کیلئے نیا سال شمار ہو گا۔[29] دوسری صورت اگر مستفاد مال نصاب کی جنس سے ہو تو پھر اس کی مزید دو صورتیں ہیں:

ا۔مال مستفاد اصل سے ہی نکلا ہوا ہو۔جیسے ولد (بچہ)

۲۔مال مستفاد اصل کے علاوہ کسی اور سبب سے حاصل ہوا ہو جیسے وراثت، حصہ وغیرہ۔

پہلی صورت میں اجماعاً اتفاق ہے کہ اصل سے نکلے ہوئے کو اصل کے ساتھ ضم کیا جائے گا جبکہ دوسری صورت میں فقہاء کا اختلاف ہے البتہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دوسری صورت میں بھی مال مستفاد کو اصل کے ساتھ ضم کیا جائے گا جبکہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مال مستفاد کو اصل کے ساتھ ضم نہیں کیا جائے گا۔

> "نو عين احداهما ان يكون المستفاد من الاصل كالارباح، والاولاد وهذا يضم اجما عا، والثانى ان يكون المستفاد بسبب اخركالمشترى والمورث وهذا يضم" [30]

قابل ترجیح رائے: راقم الحروف کے نزدیک احناف کی رائے پیچیدگیوں سے پاک ہے اور اس میں آسانی کا عنصر غالب ہے علامہ یوسف قرضاوی بھی اس مسئلے میں احناف کی رائے کو زیادہ قابل قبول، آسان اور پیچیدگیوں سے پاک گردانتے ہیں۔ [31]مزید یہ کہ نقدین کے علاوہ دیگر مدات میں ائمہ ثلاثہ کی رائے امام صاحب کے موافق ہے۔[32]نیز زکوۃ کیلئے ایک سال کی مدت بڑی مبنی بر انصاف ہے [33]اس لیے کہ اگر ہر ہفتے اور ہر مہینے زکوۃ واجب ہوتی تو امیر لوگ اسے عبادت کی بجائے ایک بوجھ سمجھ لیتے اور اسی طرح اگر زکوۃ عمر بھر میں ایک دفعہ فرض ہوتی تو یہ بات مساکین کے لیے نقصان کا باعث ہوتی اس لیے شریعت اسلام میں زکوۃ کے وجوب کیلئے اُس مال پر سال کا گذرنا شرط ہے لیکن یاد رہے اس شرط کا تعلق صرف نقدین (سونا، چاندی)، کرنسی، مویشی جات اور سامانِ تجارت سے ہے۔[34]

۴۔ ادائیگی زکوۃ میں نیت کی شرط کا فقدان: بینک اکاؤنٹس سے زکوۃ کی کٹوتی پر ایک شبہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب بینک لوگوں کے اموال سے زکوۃ کاٹتا ہے تو اس وقت صاحب اموال کی طرف سے نیت متحقق نہیں ہوتی ہے تو کیا بینک کا ایسا اقدام شرعی لحاظ سے صحیح ہے؟ اور کیا ادائیگی زکوۃ کے لیے صاحب اموال کی نیت کا ہونا ضروری ہے؟ تو ان دونوں نکات کے بارے میں شرعی رہنمائی درج ذیل ہے جس میں نیت کی مشروعیت کو قرآن وسنت کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔ نیز نیت سے متعلقہ مسائل کا احاطہ بھی کیا گیا ہے تاکہ زکوۃ کی ادائیگی میں نیت کی اہمیت واضح ہو سکے۔ فقہاء کے ہاں نیت کا تعلق صرف طاعت کے ساتھ مختص نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق معصیت سے بھی ہے۔ علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں کہ فعل کو ادا کرنے میں اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت کا ارادہ کرنا نیت ہے اس تعریف میں ممنوعات بھی داخل ہیں اس لیے کہ اس میں جس کام کا حکم دیا گیا ہے وہ نفس کو روکنا ہے۔

"قصد الطاعۃ والتقرب الی اللہ تعالی فی ایجاد الفعل ودخل فیہ المنہیات فان المکلف بہ الفعل الذی ہو کف النفس" [35]

فقہاء کے ہاں نیت کے مشروع ہونے کی دو حکمتیں بیان کی جاتی ہیں :

(1) عبادت اور عادت میں فرق پیدا کرنا مقصود ہے مثلاً مسجد میں بیٹھنا استراحت کے لیے بھی ہو سکتا ہے اور نماز کے انتظار میں بھی۔

(2) دو عبادتوں کے درمیان فرق پیدا کرنا بھی مقصود ہوتا ہے۔ یعنی فرض اور نفل والی عبادات میں سے کسی ایک کا تعین نیت کے ذریعے ہی ہوتا ہے۔ [36]

نیت قرآن وسنت کی روشنی میں :

ارشاد ربانی ہے :

"وَمَا اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ" [37]

"حالانکہ انہیں یہی حکم ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کریں کہ دین کو اسی کے لیے خالص رکھیں"

ارشادِ رسول ﷺ ہے کہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔

"انما الاعمال بالنیات" [38]

نیت کے حوالے سے ایک فرمان نبوی ﷺ یہ بھی ہے:

"اللہ تعالیٰ تمہاری صورتیں اور تمہارے اموال نہیں دیکھتا لیکن وہ تمہارے دلوں (میں موجود نیت) کو دیکھتا ہے اور اس کے بعد آپ ﷺ نے اپنی انگلی مبارک سے دل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہاں" [39]

زکوۃ میں نیت: ڈاکٹر وھبہ الزحیلی لکھتے ہیں کہ فقہاء نے اتفاق کیا ہے کہ زکوۃ کی ادائیگی میں نیت شرط ہے تاکہ زکوۃ، صدقات اور کفارات

کے درمیان فرق ہوسکے چنانچہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: "اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے" جبکہ زکوۃ کا ادا کرنا بھی ایک عمل ہے نیز یہ کہ زکوۃ بھی عبادت ہے جیسے نماز لہذا عباداتِ زکوۃ بھی نیت کی محتاج ہے تاکہ فرض نفل سے جدا ہو جائے۔

"اتفق العلماء علی ان النیۃ شرط فی اداء الزکاۃ لقول النبی ﷺ "انما الاعمال بالنیات" واداؤھا عمل ولانہا عبادۃ کالصلاۃ فتحتاج الی نیۃ لیتمیز الفرض عن النفل" 40

لیکن زکوۃ میں نیت کے شرط ہونے کے مسئلہ کے بارے میں صرف امام اوزاعیؒ نے جمہور کی مخالفت کی ہے کہ زکوۃ میں نیت لازمی نہیں ہے کیونکہ امام اوزاعیؒ کے نزدیک زکوۃ کی حیثیت فرض کی طرح ہے اور فرض میں نیت شرط نہیں ہے۔ علامہ ابن قدامہؒ لکھتے ہیں کہ امام اوزاعیؒ کا یہ مؤقف درست نہیں ہے کیونکہ آپؐ کا واضح فرمان ہے کہ "اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے" اور زکوۃ کی ادائیگی ایک عمل ہے لہذا اس عمل کی ادائیگی پر نیت شرط ہے۔[41]

زکوۃ کی نیت کا وقت : اتنی بات تو طے ہے کہ زکوۃ کی ادائیگی کے لیے نیت شرط ہے لیکن نیت کب کی جائے اس بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ فقہائے احناف کے نزدیک زکوۃ کی ادائیگی صرف ایسی نیت سے ہوگی جو فقیر کو دیتے وقت ادائیگی کے ساتھ ملی ہوئی ہو یا جب واجب مقدار کو بقیہ مال سے الگ کر رہا ہو اُس وقت بھی نیت کرلی تو بھی جائز ہے۔

"واما شرائط اداؤھا فنیۃ مقارنۃ للاداء او لعزل ما وجب" 42

حاشیۃ الدسوقی کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ امام مالک کے نزدیک بھی زکوۃ کی نیت اس کے علیحدہ کرنے یا مستحق کو دینے کے وقت لازمی ہے اور اگر ان دونوں میں سے کسی ایک وقت پر نیت نہ کی بلکہ اس سے پہلے اور بعد میں کی تو امام مالک کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے۔

"قولہ عند عزلہا او دفعہا لمستحقہا) قولہ(فان لم ینوا) ای لا عند عزلہا ولا عند دفعہا وانما نوی بعدہ او قبلہ لم تجزہ" 43

لیکن راقم کے نزدیک احناف اور مالکیہ کے مذاہب میں ایک چھوٹا سا فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ احناف کے نزدیک اگر صاحبِ زکوۃ نے مذکور دونوں اوقات میں زکوۃ کی نیت نہیں کی تو احناف کے نزدیک ایک اور صورت میں اُس کی نیت کافی ہوسکتی ہے، اگر فقیر کے ہاتھ میں مال موجود ہو اور مالک نیت کرلے تو اُس کی اِس وقت نیت بھی صحیح ہوگی۔"ولو دفعہ بلا نیۃ ثم حضرتہ النیۃ ان کان المدفوع قائما فی ید الفقیر جاز والا فلا" 44

جبکہ شوافع اور حنابلہ کے نزدیک زکوۃ الگ کرنے سے پہلے بھی نیت جائز ہے جس طرح زکوۃ الگ کرنے کے بعد جائز ہے اور حنابلہ کا مزید یہ بھی کہنا ہے کہ نیت کی ادائیگی کو زیادہ وقت نہ گزرا ہو اور اگر نیت کو زیادہ وقت گزر چکا تو پھر اُس نیت سے زکوۃ جائز نہ ہوگی۔[45] علامہ یوسف قرضاوی اس مسئلے میں اپنی رائے دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ میری رائے یہ ہے کہ ان تمام معاملات میں سہل پہلو اختیار کرتے ہوئے زکوۃ کو اس بناء پر جائز قرار دیا جائے کہ مسلم کے دل میں ادائے زکوۃ کی ایک عمومی نیت تو بہر حال ہوتی ہے اور وہی کافی ہے۔

"والذی اختاره فی ہذا الصور کلہا ہو التیسر والقول بالاجزاء والقبول وحسب المسلم ان تکون عنده نیۃ عامۃ باخرج زکاتہ" [46]

لیکن راقم کے نزدیک علامہ قرضاوی نے تیسر کے پیشِ نظر جو علت بیان فرمائی ہے کہ مسلم کے دل میں ادائے زکوۃ کی ایک عمومی نیت ہوتی ہے وہ درج ذیل بنیادوں پر اصح نہیں ہے۔

- جمہور فقہاء نے زکوۃ کی ادائیگی میں تیسر کے پیشِ نظر ہی پہلے سے دو صورتیں بیان فرمادی ہیں لہذا مزید تیسیر کی ضرورت نہیں ہونی چاہیے مثلاً مالِ زکوۃ علیحدہ کرتے وقت بھی نیت کافی ہے لہذا بعد میں اُس علیحدہ مال سے تقسیم کرتے وقت نیت لازم نہیں ہے۔
- فقہاءِ احناف کے نزدیک اگر اُس شخص نے زکوۃ دیتے وقت بھی نیت نہیں کی اور نہ ہی مالِ زکوۃ علیحدہ کرتے وقت نیت کی تو پھر دیکھا جائے گا کہ مال اگر فقیر کے ہاتھ میں باقی ہے تب بھی اگر وہ زکوۃ کی نیت کرلے تو وہ کافی متصور ہوگی۔ ماقبل ان مندرج بالا دونوں سہولتوں کی تفصیل گزر چکی ہے۔
- فقہاء نے یہ بھی آسانی بیان کی ہے کہ زبان سے نیت کا تلفظ ضروری نہیں صرف دل کی نیت کافی ہے۔
- دین میں یسر کا پہلو ضرور پیشِ نظر ہونا چاہیے لیکن حد سے زیادہ یُسر کے پہلو سے زکوۃ کی ادائیگی کے باقاعدہ اہتمام جیسے مقاصد کے فوت ہونے کا قوی اندیشہ ہے۔
- انسان ایک وقت میں ایک نیت کرتا ہے اور دوسرے وقت میں اور نیت، لہذا عمومی نیت کا حکم لگانا اِس اعتبار سے بھی درست نہیں ہے

نیت کی دل یا زبان سے ادائیگی ہی عبادات میں تمیز کا باعث بنتی ہے۔ [47] ان تمام دلائل کی رو سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ زکوۃ کی ادائیگی کے لیے اربابِ اموال سے نیت کا تحقق کس قدر ضروری ہے۔ بینکوں کے اسی وصولی نظامِ زکوۃ پر خیر الفتاوی کے مفتیان کرام تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "وصولی زکوۃ کے موجودہ نظام میں مفاسد: نیتِ مالک جو زکوۃ اور جملہ عبادات کے لیے ایک اجماعی شرط ہے اسے (اس نظام میں) غیر ضروری قرار دیا گیا ہے" [48]

۵۔ مالک کی غیبوبت [عدم موجودگی] میں زکوۃ کی کٹوتی:

سرکاری نظامِ زکوۃ میں بینک کھاتہ داران کے مال سے جبراً یکم رمضان المبارک کو زکوۃ کاٹ لیتے ہیں اور اِس عمل میں مالک کی رضامندی اور حاضری شامل نہیں ہوتی ہے تو کیا بینک کا ایسا اقدام شرعی لحاظ سے درست ہے؟ اس بارے میں شرعی رہنمائی کی بابت علامہ کاسانی لکھتے ہیں کہ زکوۃ وصول کرنے کا اختیار کب حاصل ہوتا ہے اس کی کئی شرائط ہیں اُن میں سے ایک یہ ہے کہ مال ظاہر ہو اور مالک حاضر ہو چنانچہ اگر مالک حاضر ہے اور مال ظاہر نہیں ہے تو اُس مال کی زکوۃ کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا کیونکہ جب تک مال ظاہر نہ ہو وہ سلطان کی

حفاظت و حمیت کے تحت داخل نہیں ہوتا۔ اسی طرح جب مال ظاہر ہو لیکن مالک حاضر نہ ہو یا مالک کی طرف سے اجازت نامہ حاصل نہ ہو تو بھی اس کی زکوۃ کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔[49]

خیر الفتاوی کے مفتیان بھی اِس شرط کی تائید میں رقم طراز ہیں: "موجودہ نظام میں مالک کی غیبوبت میں اس کی زکوۃ کاٹ لی جاتی ہے حالانکہ حضرات فقہاء نے سرکاری وصولی زکوۃ کے لیے حضورِ مالک کو شرط قرار دیا ہے۔"[50]

٦۔ بچے اور مجنون کے مال سے زکوۃ کی کٹوتی :

سرکاری نظام زکوۃ پر اہل علم کی طرف سے یہ اعتراض بھی کیا جاتا ہے کہ اس نظام میں بچے اور فاتر العقل یعنی مجنون کے مال سے بھی زکوۃ کاٹی جاتی ہے بظاہر زکوۃ کی کٹوتی کے دائرہ کار میں ان دونوں کو شامل نہیں کیا گیا ہے۔ مگر دوسری طرف زکوۃ کی کٹوتی سے استثنائی صورتوں میں بھی یہ دونوں طبقات شامل نہیں ہیں، لہذا صراحت کے درجے میں یہ بات ملتی ہے کہ حکومتی نظامِ زکوۃ میں بچے اور مجنون کے مال سے زکوۃ کی کٹوتی کو استثناء حاصل نہیں ہے۔ مثلاً زکوۃ و عشر 1980 اور دیگر صوبائی قوانینِ زکوۃ و عشر میں اتفاقی طور پر شیڈول نمبر 2 کی اشیاء کو استثناء حاصل ہے کہ اِن اشیاء سے زکوۃ وصول نہیں کی جائے گی، اُن میں اِن دونوں طبقات کے اموال / اکاؤنٹس کا ذکر تک نہیں ہے۔[51]

اب سوال یہ ہے کہ آیا شریعت اسلام میں بچے اور مجنون کو زکوۃ کی کٹوتی سے استثناء حاصل ہے یا نہیں۔ یا دوسرے الفاظ میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ کیا زکوۃ کی ادائیگی کیلئے صرف صاحب نصاب مسلمان ہونا کافی نہیں ہے چاہے وہ صاحبِ نصاب مسلمان بچہ یا مجنون ہی کیوں نہ ہو؟ اس شبہ کے ازالے کے لیے بچے اور مجنون کے مال میں زکوۃ کے وجوب یا عدم وجوب کے بارے میں شرعی رہنمائی بہت ضروری ہے۔ اس لیے ذیل میں اس بحث کا خلاصہ بیان کیا جا رہا ہے تاکہ شرعی لحاظ سے واضح ہو سکے کہ نابالغ اور مجنون پر زکوۃ لازم ہے یا نہیں۔

فرضیت زکوۃ کی شرائط میں سے ایک اہم شرط عاقل اور بالغ ہونا بھی ہے نیز زکوۃ کی فرضیت کے احکام میں بچہ اور مجنون برابر ہیں۔ اس لیے دلائل میں سے کسی ایک کا ذکر دوسرے کیلئے کافی متصور ہو گا۔ جمہور فقہاء عظام کے نزدیک صاحب نصاب مسلمان بچہ یا مجنون کے جملہ مال میں صرف فصل اور پھلوں پر زکوۃ واجب ہے اور باقی مال پر زکوۃ لازم نہیں ہے یہ رائے حضرت علیؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت جعفر صادقؒ اور امام ابو حنیفہ رحمہم اللہ کی ہے [52] جبکہ سعید بن جبیرؒ، امام نخعیؒ، ابو وائلؒ، حسن بصریؒ، اور شریح رحمہم اللہ کے نزدیک بچے کے جملہ مال میں زکوۃ واجب نہیں ہے۔[53]

مالِ صبی یا مجنون کے مال پر عدم وجوبِ زکوۃ کے دلائل

ارشادِ ربانی ہے :

"خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا[54]

"اے نبیؐ آپ ان کے اموال میں سے صدقہ لے کر انہیں پاک کر دو اور (نیکی کی راہ میں) انہیں بڑھاؤ"

اس آیت مبارکہ کی تشریح وتوضیح میں مفسرین لکھتے ہیں کہ زکوۃ کا مقصد گناہوں کا ازالہ ہے اور بچہ یا مجنون ویسے ہی گناہوں سے مبرا ہیں اس لیے بچے یا مجنون پر زکوۃ لازم نہ ہو گی۔[55]

- آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ تین افراد سے مواخذہ نہیں، بچہ سے جب تک وہ بالغ نہ ہو جائے، سونے والے سے جب تک وہ بیدار نہ ہو جائے اور مجنون سے جب تک اسے افاقہ نہ ہو جائے۔[56]
- فقہاء کا اتفاق ہے کہ زکوۃ ایک خالص عبادت ہے اور بچہ یا مجنون عبادات کا مخاطب نہیں ہے۔[57]
- فقہاء کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ زکوۃ کی ادائیگی کے لیے نیت شرط ہے کیونکہ آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے جبکہ زکوۃ کا ادا کرنا بھی ایک عمل ہے نیز یہ زکوۃ بھی عبادت ہے جیسے نماز لہذا عبادتِ زکوۃ بھی نیت کی محتاج ہے تاکہ فرض نفل سے جدا ہو جائے۔[58]

مندرجہ بالا شرعی رہنمائی سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ صاحبِ نصاب بچے اور مجنون پر زکوۃ لازم نہیں ہے البتہ عشر لازم ہے (جسکے دلائل ما قبل گزر چکے ہیں) اس لیے سرکاری نظام زکوۃ میں فی الفور ان دونوں طبقات کو استثنائی صورتوں میں شامل کیا جائے اور ثانیاً جتنی بھی زکوۃ ان دونوں طبقات کے اکاؤنٹس سے کاٹی گئی ہے وہ انھیں واپس کی جائے نیز حکومت کے ایسے اقدام کے بارے میں جامع الفتاوی کے مفتیان کرام لکھتے ہیں:

"نابالغ بچے کے مال میں زکوۃ نہیں۔ حکومت اگر نابالغ بچے کے مال سے زکوۃ کاٹ لیتی ہے تو یہ صحیح نہیں"[59]

اور حکومت کے اس اقدام کو درج ذیل فتاوی جات میں بھی درست قرار نہیں دیا گیا ہے۔[60] دیگر فتاوی جات کے حوالے حسب ذیل ہیں۔[61] حاصل کلام یہ ہے کہ نابالغ بچے اور مجنون کے مال پر شریعت کا مکلف نہ ہونے کی بناء پر زکوۃ لازم نہیں ہے۔

نتائج وسفارشات:

- حکومت کی طرف سے بینکوں میں زکوۃ کی وصولی میں صرف مخصوص قسم کے قرضوں کو منہا کرنا درست نہیں ہے بل کہ ہر قسم کے قرضہ جات کو زکوۃ کی کٹوتی سے قبل منہا کیا جائے۔
- حکومت کا مروجہ قانونی و عملی طریقہ کار برائے کٹوتی زکوۃ میں شرعی لحاظ سے یہ سقم بھی پایا جاتا ہے کہ شریعت اسلام میں زکوۃ اس وقت کاٹی جاتی ہے جب مالک کے مالِ زکوۃ پر سال گذر جائے، جبکہ یہاں وجوبِ زکوۃ کی اس اہم شرط کی پاسداری نہیں کی جاتی ہے البتہ اب زکوۃ کٹوتی کے استثناء کا فارم حکومت کی طرف سے (CZ-50) کے نام سے متعارف کروایا گیا ہے جس کے جمع کروانے کے بعد بینک اکاونٹس سے زکوۃ منہا نہیں کی جاتی ہے۔
- زکوۃ ایک عبادت ہے اور عبادت کی ادائیگی کے لیے نیت فرض ہے اس لیے بینک کے منتظمین کا حکومتی نوٹیفیکیشن پر لوگوں

کے اموال سے خود زکوۃ کاٹنا درست نہیں ہے کیوں کہ اس میں اربابِ اموال کی طرف سے نیت نہیں پائی جاتی ہے لہذا بینک کا ایسا اقدام شرعی لحاظ سے درست نہیں ہے۔

- جس طرح مال کے ظاہر نہ ہونے سے قبل حکومت کو زکوۃ کے مطالبے کا اختیار نہیں ہے بالکل اسی طرح حکومت کو مالک کی عدم موجودگی میں اُس کے مال سے زکوۃ وصول کرنے کا اختیار بھی نہیں ہے بشرطیکہ مالک، زکوۃ کے وجوب کے بعد زکوۃ سے فرار کا راستہ اختیار نہ کرے لہذا ولایتِ اَخذ کیلئے مالک یا مالک کے وکیل کی موجودگی یا اجازت نامہ از طرف مالک ضروری ہے بصورت دیگر حکومت کا مالک کے اکاؤنٹ سے زکوۃ کاٹنا شرعی لحاظ سے درست نہیں ہے۔یعنی حکومت اربابِ اموال کی زکوۃ کاٹنے سے قبل درج ذیل تین صورتوں میں سے کسی ایک صورت کی پابندی لازم بنائے۔
- ا۔مالک کی موجودگی ۲۔مالک کے وکیل کی موجودگی ۳۔اجازت نامہ از طرف مالک (اکاؤنٹ ہولڈر)
- راقم کے نزدیک عصری تناظر میں اگرچہ پہلی دو صورتوں پر عمل قدرے مشکل ہو، مگر تیسر کے پیشِ نظر حکومت کا تیسری صورت اختیار کرنا انتہائی آسان ہے اور اس کی بہتر صورت یہی ہے کہ جب بھی بینک میں اکاونٹ کھلوایا جائے تو اکاؤنٹ ہولڈر یعنی مالک سے زکوۃ کی کٹوتی کی اجازت پہلے ہی لے لی جائے اِس صورت میں دیگر شبہات کے ازالے کے ساتھ مندرج بالا شبہ بھی زائل ہو جائے گا اور حکومت کا تقریباً زکوۃ کی کٹوتی کے حوالے سے سارا اقدام شرعی ہو جائے گا۔
- زکوۃ ایک عبادت ہے اور عبادت کے وجوب کے لیے بلوغت یا جنون سے افاقہ شرط ہے لہذا سرکاری نظام زکوۃ میں فی الفور ان دونوں طبقات کو استثنائی صورتوں میں شامل کیا جائے۔

@ 2022 by the author, this article is an open access article distributed Under the terms and conditions of the Creative Commons Attribution (CC-BY) (http://creativecommons.org/licenses/by/4.0/)

[1] The Zakat & Ushr Ordinance, 1980, Nadeem Law Book House, Lahore, 2012, p. 12

[2] الشیرازی، ابو اسحاق ابراھیم، المھذب فی فقہ الامام الشافعی ، دار القلم، دمشق، ۱۹۹۲ء، ج ا، ص ۴۶۳

[3] شیخ نظام وجماعۃ علماء، فتاوی عالمگیری، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ، ۱۹۸۳ء، ج ا، ص ۱۷۲-۱۷۳

[4] وھبۃ الزحیلی، الدکتور، الفقہ الاسلامی وادلتہ، دار الفکر، بیروت، ۱۹۸۵ء، ج ۲، ص ۷۴۸-۷۴۹

[5] ابن قدامہ، موفق الدین عبد اللہ بن احمد، المغنی، دار الفکر، بیروت، ۱۴۰۵ھ، ج ۲، ص ۶۳۳

[6] عثمان، زین الدین ، الممتع، مکتبۃ الاسدی، مکۃ المکرمہ، ۲۰۰۳ء، ج ا، ص ۶۷۳

[7] Circular of MCB. FC6-BS/2017 Dated 17-03-17;Circular of HBL # P/INST/2016/220 Dated 26-12-16;Circular of NBP # 88/2017- July 10,17

[8] سغدی، علی بن حسین، النتف فی الفتاوی، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، س۔ن، ص ۱۱۲

[9] ابن حجر، احمد بن علی العسقلانی، فتح الباری، دار المعرفۃ، بیروت، ۱۳۷۹ھ، ج ۳، ص ۲۷۹

[10] البقرہ، ۲:۲۶۷

[11] مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، کتاب الطھارۃ، باب وجوب الطھارۃ للصلاۃ ، رقم الحدیث: ۲۲۴

[12] الحصکفی، علاؤالدین، الدر المختار، دار الفکر، بیروت، ۱۳۸۶ھ، ج ۲، ص ۲۹۰

[13] ابن عابدین، محمد امین بن عمر، رد المحتار، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۱ھ، ج ۲، ص ۲۹۱

[14] رشید احمد، مفتی، احسن الفتاوی، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، ۱۴۲۵ھ، ج ۴، ص ۲۹

[15] The Zakat & Ushr Ordinance, 1980, p 11; The Punjab Zakat & Ushr Bill, 2012, p 5 ; The KPK Zakat &Uhsr Act,2011, p.7;The Sindh Zakat & Ushr Act, 2011, p 4; The Balochistan Zakat &Ushr Act, 2012, p.8

[16] https://www.sbp.org.pk/bprd/2022/CL7-Annex.pdf

[17] Manual of HBL, Karachi, HBL (Head Office), 2014, p 271

[18] فتاوی عالمگیری، ج ا، ص ۱۷۵

[19] صادق عبد الرحمن، ڈاکٹر، المدونہ الفقہ المالکی ، مکتبہ البرہان، بیروت، س ن، ج ۲، ص ۲۱

[20] المہذب فی فقہ الامام الشافعی ، ج ا، ص ۴۶۷

[21] علی بن سلیمان ، الانصاف، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۷ء، ج ۳، ص ۲۷

[22] الشوکانی، محمد بن علی بن محمد، نیل الاوطار، دار ابن جوزی، بیروت، ۱۴۲۷ھ، ج ۴، ص ۱۶۶

[23] سلیمان ابن اشعث، سنن ابی داؤد، باب فی الزکاۃ السائمۃ ، رقم الحدیث: ۱۵۷۵

[24] ابن ماجہ، محمد ابن یزید، سنن ابن ماجہ، کتاب الزکاۃ، باب من استفاد مالا، حدیث: ۱۷۹۲

[25] ابن رشد، ابو الولید محمد بن احمد، بدایۃ المجتھد و نھایۃ المقتصد، مطبعہ مصطفی البابی الحلبی، مصر، ۱۹۷۵ء، ج ا، ص ۲۷۰

[26] نیل الاوطار، ج ۴، ص ۱۶۶

[27] الانعام، ۶: ۱۴۱

[28] موسوعۃ فقہیہ، ۲۴۲/۲۳

[29] بدائع الصنائع، ج۲، ص۱۳

[30] مبارکپوری، عبد الرحمن، تحفۃ الاحوذی، دار الفکر، بیروت، س ن، ج۳، ص ۲۷۳

[31] القرضاوی، شیخ یوسف عبد اللہ، فقہ الزکاۃ، دار الارشاد، بیروت، س۔ن، ص۱۶۶

[32] بنوری، محمد یوسف، عارف السنن، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، ۱۴۱۳ھ، ج۵، ص۲۲۲

[33] ابن قیم، محمد بن ابی بکر الجوزی، زاد المعاد فی ہدی خیر العباد، موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۹۹۴ء، ج۲، ص۶

[34] مجلس دعوت و تحقیق اسلامی، فتاوی بینات، مکتبہ بینات، کراچی، ۱۴۲۷ھ، ج۲، ص۶۴۰

[35] ردالمحتار، ج۱، ص۱۰

[36] السیوطی، جلال الدین عبد الرحمن بن ابو بکر، الاشباہ والنظائر، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۰۳ھ، ج۱، ص۴۶

[37] البینۃ ،۹۸: ۵

[38] البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی ، رقم الحدیث: ۰

[39] مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب تحریم ظلم المسلم وخذلہ واحتقارہ، رقم الحدیث:۲۵۶۴

[40] البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی ، رقم الحدیث: ۱؛ الفقہ الاسلامی فی وادلتہ، ج۲، ص۷۵۰

[41] المغنی، ج۲، ص۵۰۲

[42] فتاوی عالمگیری، ج۱، ص۱۷۰

[43] الدسوقی، شیخ محمد عرفہ، حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر، عیسی البابی الحلبی وشرکائہ، دمشق، س۔ن، ج۱، ص۵۰۰

[44] ابن الساعاتی، مظفر الدین احمد بن علی ، مجمع البحرین، مکتبہ اسلامیہ، کوئٹہ، س ن، ص۱۷۹

[45] الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج۲، ص۷۵۲

[46] فقہ الزکاۃ، ص۱۹۲

[47] الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج۲، ص۷۵۰

[48] خیر الفتاویٰ، ج۳، ص۶۰۵

[49] البدائع الصنائع، ج۲، ص۳۶

[50] خیر الفتاوی، ج۳، ص۶۰۵

[51] Annexure,3 ; The Punjab Zakat & Ushr Bill, 2012, p 18-19

[52] بدائع الصنائع، ج۲، ص۸؛ موسوعہ فقھیہ، ج۲۳، ص۲۳۲

[53] ابن حزم، علی بن احمد بن سعید، المحلیٰ، بیت الافکار، بیروت، ۲۰۰۳ء، ج۵، ص۲۰۵

[54] التوبہ، ۹: ۱۰۳

[55] الجصاص، احمد بن علی، احکام القرآن، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۵ھ، ج۴، ص ۳۵۵

[56] الترمذی، ابو عیسی محمد ابن عیسی، سنن ترمذی، کتاب الحدود، باب فی من لاتجب علیہ الحد، رقم الحدیث: ۱۴۲۳

[57] البحر الرائق، ج۲، ص ۳۵۴

[58] الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج۲، ص ۷۵۰

[59] مہربان علی، مفتی، جامع الفتاوی، ملتان، ادار تالیفات اشرفیہ، ملتان، ۱۴۲۹ھ، ج۵، ص ۲۹۳

[60] زکوۃ کا انسائیکلوپیڈیا، ص ۸۷

[61] فتاوی حقانیہ، ج۳، ص ۵۱۲؛ فتاوی فریدیہ، ج۳، ص ۳۶۰؛ فتاوی محمودیہ، ج۹، ص ۳۵۵